ذکرِ مصحفی

(جناب نثار احمد صاحب فاروقی، یونیورسٹی لائبریری دہلی)

(۸)

آنولہ میں | بعض قرائن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ امروہہ میں ابتدائی اور رسمی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مصحفی کو معاش کے وسائل تلاش کرنے کے لئے ترکِ وطن پر مجبور ہونا پڑا' اور وہ امروہہ سے نکل کر پہلے آنولہ پہنچے یہ باور کرنے کے لئے کوئی شہادت نہیں ملتی کہ وہ امروہہ سے دہلی گئے ہوں اور وہاں تعلیم حاصل کرنے کے بعد نواب محمد یار خاں کی ملازمت میں آئے ہوں جیسا کہ بعض تذکرہ نگاروں نے لکھدیا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ خلط مبحث ابواللیث صدیقی نے کیا ہے جنھوں نے واقعات کی ترتیب کو گمراہ کن حد تک غلط کر دیا ہے[1]۔

یہ قطعاً نہیں کھلتا کہ وہ آنولے میں کس تقریب سے گئے' کب گئے اور کس سے توسل پیدا کیا۔ بظاہر یہ قیام تین چار ماہ کے قریب رہا۔ انھوں نے بعض شاعروں سے آنولے میں ملاقات ہونے کا حال اپنے تذکرے میں لکھا ہے۔ مثلاً عزیز خاں بے جان کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"فقیر در ایامیکہ در آنولہ بود بموی الیہ ملاقات اکثری اُفتاد"[ع]

---

[1] ملاحظہ ہو: مصحفی اور ان کا کلام، طبع لاہور / ۱۰ تا ۲۵ تذکرہ ہندی / ۷۳ نیز سخن شعرا (۱۸۷۴ء) / ۷۳۔ یہ وہی عزیز خاں بیجان ہیں جن کی فرمائش پر قدرت اللہ شوق نے اپنا تذکرہ "طبقات الشعراء" مرتب کیا تھا۔ اس تذکرے کے قلمی نسخے کتبخانہ آصفیہ (حیدرآباد) کتب خانہ سنٹرل ریکارڈس آفس (حیدرآباد) کتب خانہ مشرقیہ (پٹنہ) اور دارالمصنفین (اعظم گڈھ) کی لائبریری میں محفوظ ہیں۔ برسوں ہوا ابواللیث صدیقی نے اس کی تلخیص شائع کردی تھی۔ نسخۂ کتب خانۂ آصفیہ کے آخر میں یہ عبارت ملتی ہے:

"چون این نسخۂ طبقات الشعراء..... بہ حسب فرمائش بعضے اعزائے فن شعر ریختہ را باوجود بے جانی عزیز خان می داشتند اتمام رسید" (ورق ۲۹۴ الف)۔ یہ قوم کے افغان روہیلہ تھے (ہندی / ۴۱) اور قصبہ بسولی کے رہنے والے تھے (طبقات الشعراء / ورق ۲۲۰ ب)

اسی طرح مرادآباد کے ایک شاعر مراد علی حیرت کا حال لکھا ہے:

"فقیر اور او در آوان آبادی کٹھیر روزے در آنولہ دیدہ بود"[1]

عظیم نامی شاعر سے بھی آنولہ میں ملاقات ہوئی تھی: "یک غزل خود در آنولہ پیش فقیر خواندہ بود"[2]

اسی طرح انھوں نے عشقی مرادآبادی سے آنولہ میں ملنا بیان کیا ہے[3]

فدوی لاہوری جن کی ہجو میں مرزا رفیع سودا نے "مثنوی بوم و بقال" لکھی تھی۔ اسی زمانہ میں آنولہ آئے۔ اُن کی آمد کا شہرہ سن کر مصحفی بھی ملنے کے لئے پہنچے۔ لکھتے ہیں کہ:

"دعوائے شاعری در دماغش جا داشت و زیادہ از مرتبۂ شاعری قدم در راہ امرد پرستی می گذاشت چند جاہانہ جنگی ہم کردہ و بہ کو دکانِ حسین تعشق و رزیدہ۔ اکثر اعضائش دیدم کہ مجروح بودند۔ در ایامے کہ از شاہجہان آباد در کٹھیر آمد دراں روزہا فقیر در آنولہ بود کہ شورش او بسمع رسیدہ آخر روزے بہ دیدنش رفتم او باشے چند گرد او نشستہ دیدم ..."[4]

قدرت اللہ قدرت (شوق) مؤلف تذکرۂ طبقات الشعرا سے بھی اسی زمانے میں ملاقات ہوئی۔[5]

شاہ حاتم کے شاگرد "نعیم اللہ خاں نعیم" سے بھی پہلے آنولہ میں ملاقات ہوئی تھی بعد میں یہ بھی محمد یار خاں کی سرکار میں نوکر ہو گئے تھے۔[6]

آنولہ دراصل نواب علی محمد خاں روہیلہ بانیٔ ریاست رامپور کا مسکن تھا اور ان دنوں بڑا آباد قصبہ تھا۔ بقول نجم الغنی:

"یہ اس زمانے میں شہر عظیم الشان تھا قوم قوم کے محلے جدا جدا تھے۔ اس شہر میں نواب صاحب کے عہد میں بہت سے مدرسے خانقاہیں تھیں۔ پختہ قلعہ تھا جس کے گنبد زریں تھے اور منتخب مسجد تھی۔ د بجوالہ دیوان منولال: مساکن فلسفی، شجاع الدولہ کی یورش کے وقت ۱۱۸۸ھ میں یہ قلعہ خراب ہو گیا تذکرۂ

---

[1] ہندی/۷۹، [2] الضاً/۱۵۱ [3] سابق/۱۵۲ [4] ہندی/۱۷۶۔ رام بابو سکسینہ کے شائع کردہ "مرقع شعرا" (۱۹۵۶ء) میں ایک تصویر فدوی کی بھی شامل ہے اس سے مصحفی کے قول کی تائید ہوتی ہے اور اس تطابق سے تصویر کا مستند ہونا بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ [5] ہندی/۱۷۵ [6] ایضاً/۲۵۹۔

حکومت المسلمین میں لکھا ہے چونکہ ہر ایک پٹھان کا بسبب نفسانیت کے یہ قول تھا کہ دوسرے پٹھان کے مکان و مسجد پر نماز پڑھنے نہیں جائیں گے اس لئے ہر ایک پٹھان نے اپنے اپنے دروازے پر مسجد تعمیر کی چنانچہ ستر و سو مسجدیں آنولے میں تیار ہوئیں۔ بلکہ اب تک بعض مساجد آباد اور اکثر شکستہ و ویران موجود ہیں[1]"

آنولے میں مصحفی کا قیام تین ماہ تک رہا[2] اور تقریباً اتنا ہی زمانہ ٹانڈے میں گذرا[3] یہ محفل ضابطہ خاں کی شکست کے بعد درہم برہم ہوگئی جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ ضابطہ خاں کی شکست ذیقعدہ ۱۱۸۵ھ (فروری ۱۷۷۲ء) کا واقعہ ہے۔ اس سے میں یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ مصحفی جمادی الاوّل ۱۱۸۵ھ (اگست ۱۷۷۱ء) یا جمادی الثانی (ستمبر ۱۷۷۱ء) کے لگ بھگ آنولے میں آ چکے تھے۔

کٹہیر | فدوی لاہوری کے حال میں مصحفی نے لکھا ہے کہ وہ دہلی سے آنولے آئے اور میں نے شہرت سنی تو ملنے گیا۔ اس کے بعد سنا کہ وہ نواب محمد یار خاں امیر کے مصاحب ہو گئے ہیں۔ دو تین مہینے کے بعد جب قائم چاند پوری اور میں بھی اسی دربار سے وابستہ ہوئے تو ان کی نوابی بگڑ گئی۔

"بعد چند روزے شنیدم کہ بہ سرکار نواب محمد یار خاں ... نوکر شد ہر گاہ بعد دو سہ ماہ میاں محمد قائم و غیرہ و فقیر ہم باریاب مجلس ایشاں شدند بہ سبب برہم زدگی مزاج نواب کہ بیاں آں موجب تطویل است برخاستہ رفت....[4]"

یہ نواب محمد یار خاں کون تھے؟ ٹانڈے میں ان کا دربار کیسے جما تھا اور کیوں درہم برہم ہو گیا۔ اسے اچھی طرح سمجھنے کے لئے تاریخ کے چند اوراق پڑھنا ضروری ہیں۔ ہم بہت اختصار کے ساتھ یہ سب بیان درج کئے دیتے ہیں۔

داؤد خاں ایک روہیلہ سردار تھا جس نے کٹھیر کے علاقے میں طاقت حاصل کر کے اپنا اقتدار جما لیا تھا وہ لاولد تھا۔ اس نے اثنائے راہ میں ایک بچے کو پڑا ہوا پایا اور سعادت و اقبال کے نشان اس کے

---

[1] نجم الغنی: اخبار الصنادید جلد اوّل / ۱۹۲۔ مطبع نولکشور (۱۹۱۸ء) [2] ہندی / ۱۲۷ [3] عابق / ۱۷۹ [4] ہندی / ۱۲۷۔

چہرے پر دیکھ کر اُسے اپنا متبنیٰ (لے پالک) کر لیا۔ یہی بچہ بڑا ہو کر محمد علی خاں، پھر علی محمد خاں کہلایا۔ یہ رامپور کی ریاست کا پہلا مسند نشین اور بانی تھا۔[1] نجم الغنی اور زمانۂ حال کے بعض دوسرے مورخین نے اسے سید حسینی نسب لکھا ہے۔[2] لیکن بہت سے مورخ اس سے اختلاف کرتے ہیں ان کا خیال ہے کہ یہ نسلاً افغان ہی تھے چنانچہ ان کا مادہ تاریخ وفات بھی خان زادے کاظم شیدا نے "ہے ہے افغان" سے برآمد کیا ہے۔[3] بعض قدیم دستاویزوں اور تاریخ کی کتابوں سے بھی اُن کے افغان ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ مصحفی نے بھی

---

[1] روہیلہ خاندان کے سرداروں کی تاریخ اور روہیل کھنڈ میں ان کے عروج و زوال کی داستان تفصیل سے سمجھنے کے لئے ان کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے:

(۱) نجم الغنی: اخبار الصنادید (۱۹۱۸ء) دو جلدیں۔ (۲) نجم الغنی: تاریخ اودھ (۱۹۱۹ء) پہلی تین جلدیں (۳) آروین تاریخ فرخ آباد (اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۸۰۸ء) (۴) مستجاب خاں: گلستان رحمت (۵) کنور پریم کشور فراقی؛ وقائع عالم شاہی (۱۹۴۹ء) (۶) آنند رام مخلص: سفرنامہ (۱۹۴۶ء) (۷) امیر مینائی: انتخاب یادگار (۱۸۸۰ء) (۸) پولیر: شاہ عالم سکنڈ اینڈ ہز کورٹ (انگریزی) مرتبہ پی سی گپتا (۱۹۴۷ء) (۹) اسٹریچی: ہسٹنگز اینڈ دی روہیلہ وار (۱۸۹۲ء) انگریزی۔

[2] مؤلف حدیقۃ الاقالیم کا بیان ہے کہ یہ اہیر تھے (ص ۱۳۹) اور کنز التاریخ (ص ۲۵۴) میں لکھا ہے: "مولد بانگولی قصبہ کا لنجر سرکار سنبھل اور وطن سکنی موضع بیولی... جو متصل بسولی پرگنہ ساسی ہے" (بحوالہ سفرنامہ مخلص مرتبہ اظہر علی حاشیہ ص ۵۵) قدرت اللہ قاسم کہتا ہے کہ "گویند کہ اصلش از قوم جٹ است" (مجموعہ نغز ۱/۲۳) [3] اخبار الصنادید: ۱/۱۸۹ لطف کی بات یہ ہے کہ اخبار الصنادید کے مؤلف نجم الغنی نے علی محمد خاں کو سید ثابت کرنے کے لئے اپنی والی پوری کوشش کی ہے لیکن خود ان کے بیانات میں تناقض پیدا ہو گیا ہے۔ سیادت کی بحث کرنے کے بعد انھوں نے ایک جگہ یہ شعر بھی درج کر دیا ہے جو بقول خود "سکے کے متعلق نواب کے نام سے تمام روہیل کھنڈ میں مشہور تھا۔ اس میں بھی "محمد علی" موزوں ہے اور وہ یہ ہے:

سکہ زد بر کل کیٹھر و طبل زد در چیلی   بادشاہے شد روہیلہ نام او محمد علی

یہاں محمد علی کی حلئے حطی تقطیع سے ساقط ہوتی ہے اور ایسا شعرا میں جائز ہے۔ فصیح کا شعر ہے ؎

اے فصیح یہ گھر بغیر از یار کے زندان ہے   ہر در و دیوار پر لکھ دیجئے اِس بات کو" (اخبار ۱/۱۹۳)

اسی طرح ایک جگہ لکھتے ہیں کہ: "نواب صاحب کی مہر میں یہ عبارت کندہ تھی: علی محمد خاں بہادر فدوی محمد شاہ بادشاہ غازی" (سابق ۱/۱۹۷) اس میں بھی سید نہیں ہے۔

"امیرے بود از قوم افاغنہ" لکھا ہے[۱]

بہرحال علی محمد خاں روہیلہ کا انتقال ۵ ستمبر ۱۷۴۹ء (۲۳ شوال ۱۱۶۲ھ) کو ۴۴ سال کی عمر میں ہوا[۲] ان کے چھ صاحبزادے تھے۔ محمد عبداللہ خاں، محمد فیض اللہ خاں، محمد سعد اللہ خاں، محمد یار خاں، اللہ یار خاں اور مرتضیٰ یار خاں[۳] اول الذکر دونوں بیٹے علی محمد خاں کے انتقال کے وقت قندھار میں تھے۔ اس لئے محمد سعد اللہ خاں کو مسند نشین کر دیا گیا۔ علی محمد خاں نے حافظ الملک حافظ رحمت خاں کو اپنے نابالغ بچوں کا نگراں اور ریاست کا منتظم مقرر کیا تھا۔ جب قندھار سے دونوں بھائی واپس آئے تو جاگیر کی تقسیم کا جھگڑا شروع ہوا اور صورت حال بہت ہی نازک ہونے لگی تو حافظ رحمت خاں نے رفع شر کے لئے ملک کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ڈاکٹر اظہر علی کا بیان ہے کہ انجیانی وغیرہ کا علاقہ پانچ لاکھ سالانہ آمدنی کا محمد عبداللہ خاں کو ملا اور اتنی ہی آمدنی کا علاقہ رامپور وغیرہ فیض اللہ خاں کے حصے میں آیا۔ آنولے کا علاقہ محمد سعد اللہ خاں کو دیا گیا اس کے ساتھ ہی یہ کیا کہ ہر ایک بھائی کے ساتھ ایک چھوٹے بھائی کو شریک کر دیا۔ چنانچہ نواب عبداللہ خاں کے ساتھ مرتضیٰ خاں، فیض اللہ خاں کے ساتھ محمد یار خاں اور سعد اللہ خاں کے ساتھ الہ یار خاں رہنے لگے[۴] لیکن تقسیم ملک کے بارے میں نجم الغنی کا بیان قدرے مختلف ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"آنولہ، منونہ، بدایوں، اوسیت اور کوٹ وغیرہ ۱۲ لاکھ روپے کی آمدنی کا ملک نواب سید عبداللہ خاں کو دیا اور سید مرتضیٰ خاں کو اُن کے سپرد کیا۔ بریلی اور اہرات وغیرہ ۱۲ لاکھ روپے کا ملک نواب سید فیض اللہ خاں کو دیا اور سید محمد یار خاں کو ان کے ذمہ کیا اور مراد آباد وغیرہ ۱۲ لاکھ روپے کا ملک نواب سید سعد اللہ خاں کو مع صاحبزادہ سید اللہ یار خاں کو ان کے شریک کیا اور اس طرح تینوں بھائیوں کو راضی کر کے ایک اقرار نامہ لکھا کر تمام سرداروں کی مہروں اور دستخطوں سے مرتب کرایا۔ نواب سعد اللہ خاں مراد آباد کو روانہ ہو گئے اور وہاں راجا کنور سین کی عالیشان

---

[۱] ہندی ۱۲/۱۔ [۲] جادوناتھ سرکار نے "فال آف دی مغل ایمپائر" جلد اوّل (طبع کلکتہ: ۱۹۳۲ء) میں تاریخ وفات ۱۵ ستمبر ۱۷۴۸ء لکھی ہے (ص ۳،۵) [۳] اخبار: ۱/۱۹۶۔ [۴] اظہر علی: مقدمہ سفرنامہ مخلص ۲۴/۱۔

حویلی میں اُترے اور نواب سید فیض اللہ خاں اور نواب سید عبداللہ خاں آنولے میں نواب سید علی محمد خاں کے قلعے میں رہنے لگے۔ غالباً یہ تقسیم ۱۱۶۶ھ میں واقع ہوئی تھی۔[۱]

لیکن یہ غالباً ابتدائی تقسیم تھی اس کے بعد جب سرداران روہیل کھنڈ میں دوسرا معاہدہ ۱۱۶۷ھ (۱۷۵۴ء) میں ہوا تو نواب سعد اللہ خاں تمام ملک کے حاکم تسلیم کرلئے گئے اور آمدنی میں سے آٹھ لاکھ سالانہ ان کے مقرر ہوئے۔ عبداللہ خاں کو سہسوان اجھیانی، اور سہداپور کی جاگیر عطا ہوئی جس کی سالانہ آمدنی تین لاکھ تھی۔ عبداللہ خاں نے اجھیانی ہی میں سکونت اختیار کرلی اور مکان وغیرہ بنوا لئے۔ فیض اللہ خاں نے رامپور کو آباد کیا جس کی سالانہ آمدنی پانچ لاکھ تھی اس میں چھاچھٹ، شاہ آباد وغیرہ بھی شامل تھے۔ محمد یار خاں، اللہ یار خاں اور مرتضیٰ خاں کو حکومت میں کچھ حصہ نہیں ملا۔ مگر محمد یار خاں نے ٹانڈے میں سکونت اختیار کرلی تھی اور وہیں حکومت کرتے رہے۔[۲]

سعد اللہ خاں نے ۲۷ برس کی عمر میں سل ودق کی موذی بیماری سے قضا کی (یکم مارچ ۱۷۶۲ء۔ ۵ رشعبان ۱۱۷۵ھ) اور ان کے بعد نواب محمد عبداللہ خاں رئیس بنائے گئے۔ ۲۰ رجولائی ۱۷۶۷ء (۱۵ رصفر ۱۱۸۱ھ) کو پانچ برس گدی نشین رہ کر یہ بھی راہیٔ ملک عدم ہوئے اور نواب فیض اللہ خاں کا دَور دورہ ہوا۔ اسی زمانے میں رامپور دارالریاست قرار پایا۔ فیض اللہ خاں بڑے سخی، علم دوست اور شجاع حکمراں تھے انھوں نے بیس برس تک پوری شان وشوکت سے ریاست کا کام چلایا اور آخر کار ۱۷ رجولائی ۱۷۹۴ء (۱۸ رذی الحجہ ۱۲۰۸ھ) کو خالقِ حقیقی سے جاملے۔

محمد یار خاں امیر | علی محمد روہیلہ کے لڑکے اور نواب فیض اللہ خاں کے بھائی محمد یار خاں تھے جو شاعر بھی تھے اور امیر تخلص کرتے تھے۔ انھیں کے دربار سے قائم چاند پوری، مصحفی، فدوی، حکیم کبیر سنبھلی وغیرہ بہت سے جید شعراء وابستہ تھے۔ یہ اس زمانے میں ٹانڈے[۳] کی جاگیر پر عیش کررہے تھے۔ علم موسیقی میں خصوصی درک

[۱] نجم الغنی: اخبار الصنادید ۱/۲۰۱۔ [۲] اخبار ۱/۲۰۳ ومابعد۔ [۳] ٹانڈہ (یا ٹانڈہ بدری داس) رامپور کے قریب سوار کی تحصیل میں ۲۸.۵۰ درجہ شمال اور ۷۹.۰۵ درجہ مشرق میں واقع ہے۔ مراد آباد سے نینی تال جانے والی سڑک ٹانڈے سے ہوکر گذرتی ہے۔ ۱۹۰۱ء کی مردم شماری کے مطابق اس کی آبادی سات ہزار نو سو تراسی (۷۹۸۳) افراد پر مشتمل،

تماشا ساز بجانے میں یگانۂ روزگار تھے[4] ان کے مصاحبوں میں حکیم کبیر سنبھلی بھی تھے جو اگرچہ طبیب تھے مگر زمانے کے مزاج کے مطابق شعر و سخن سے بھی لگاؤ تھا انھوں نے امیر کو بھی یہ چسکا لگا دیا۔ چنانچہ نواب محمد یار خاں نے سب سے پہلے مرزا رفیع سودا اور میر سوز کو دعوت نامے بھیجے یہ دونوں استاد ان دنوں نواب مہربان خاں رند کے متوسل تھے۔ وہاں سکھ چین سے گذر رہی تھی انھوں نے فرخ آباد چھوڑ کر ٹانڈے آنا گوارا نہ کیا۔ البتہ قائم چاندپوری اس زمانے میں بسولی میں موجود تھے۔ امیر کی نگرِ انتخاب ان کی طرف اٹھی۔ قائم نے یہ پیش کش قبول کر لی۔ ایک سو روپیہ ماہانہ مشاہرہ مقرر ہوا اور نواب کے کلام پر اصلاح دینے کی خدمت سپرد ہوئی[5]۔ مصحفی نے لکھا ہے:

(بقیہ حاشیہ ص ۵۵) مشتمل تھی۔ قدیم زمانے سے یہ بنجاروں کا مسکن تھا جو ایک شہر سے دوسرے شہر کو غلہ وغیرہ لے جاتے تھے۔ آج بھی یہاں بنجاروں کی آبادی زیادہ ہے (دیکھو امپریل گزیٹیر آف انڈیا جلد ۲۲ ص ۲۲۱۔ طبع ۱۹۰۸ء)۔

[4] نیز ملاحظہ ہوں: (۱) یادگار شعرا ترجمہ فہرست کتب خانہ اودھ مرتبہ اسپرنگر شائع کردہ ہندوستانی اکاڈمی الہ آباد۔ (۲) سری رام: خمخانۂ جاوید، جلد ۱/ ۱۴۸۔ (۳) مجموعۂ نغز جلد ۱/ ۴۲۔ (۴) امیر مینائی: انتخاب یادگار / ۳۱۔ (۵) جواہر سخن جلد ۳/ ۹۶۔ [5] قائم چاندپوری کا پورا نام قیام الدین یا محمد قائم ہے جیسا کہ خود انھوں نے اپنے تذکرہ "مخزن نکات" (ص ۷۷) میں لکھا ہے۔ لیکن تذکرہ نگاروں نے ان کے نام میں بہت غلط مبحث کر دیا ہے (تفصیل کے لئے دیکھو دستور الفصاحت مرتبہ امتیاز علی عرشی ص ۳۴)۔ ان کے سال ولادت کا تعین دشوار ہے لیکن مصحفی نے عقد ثریا (ص ۴۶) میں عمر ساٹھ سال سے متجاوز بتائی ہے۔ اس تذکرے کی تالیف ۱۱۹۵۔ ۱۱۹۹ھ کے مابین ہوئی ہے (دستور الفصاحت حواشی ص ۸۰) و بعد اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ بارہویں صدی کے دوسرے ثلث میں ۱۱۳۵ و ۱۱۲۹ھ کے مابین پیدا ہوئے ہوں گے۔ ان کے والد کا نام محمد ہاشم اور دادا کا نام محمد اکرم تھا ایک لڑکے کا نام محمد منعم بتایا جاتا ہے (زمانہ کانپور جلد ۵۳ شمارہ ۱ ص ۳۷) مگر گلشنِ سخن میں مبتلا نے منعم کو برادر محمد قائم لکھا ہے (ورق ۹۰ نسخہ رامپور)۔ قائم چاندپور میں پیدا ہوئے جو ضلع بجنور میں ایک قصبہ ہے (مخزن ص ۷۷) ابتدائے جوانی میں ترک وطن کر کے دہلی آئے اور یہاں شاہ عالم کے عہد میں "داروغہ توپ خانہ" کی حیثیت میں ملازم ہوئے (تذکرہ ہندی ص ۱۷۹)۔ نظام سلطنت کی ابتری میں یہ سررشتہ ملازمت ہاتھ سے جاتا رہا تو توکل پر گذر ہونے لگا (مخزن ص ۷۷) میر کا بیان ہے کہ درد سے اصلاح لیتے تھے (نکات الشعرا: ۱۲۲) اور بعد میں سودا سے مشورہ کرنے لگے۔ قدرت اللہ قاسم لکھتا ہے کہ (باقی ص ۵۷)

"دراِیّامے کہ بہ ترغیب حکیم کبیر بیگ شوقِ شہر ہندی واہنِ دلش را بہ سیر نوزد کشیدہ خطے بطلب میر سوز و مرزا رفیع نوشتہ روانہ کرد۔ چوں دراں ایام ایں ہر دو بزرگ در سرکار مہربان خان رند تخلص بہ صیغۂ شاعری عزو امتیاز داشتند از فرخ آباد آمدن ایشان بہ بٹالہ کہ موضع بود و باش نواب بود اتفاق نیفتاد۔ آخر کار میاں محمد قائم کہ دراں ایام در بسولی بودند حسب الارشاد آمدہ شرف ملازمت آں والا جناب دریافت و بدر ماہہ یک صد روپیہ عزو امتیازش دادہ باستادیش برداخت..."[1]

فنِ موسیقی سے ان کے شغف کے بارے میں مصحفی کا بیان ہے کہ:

"در علم موسیقی و ستار زدن یگانۂ روزگار، و در رعنائی و زیبائی جوانے بود باغ و بہار"[2]

ہزاروں روپے صرف کرکے اور بڑے بڑے استادانِ فن کی خدمت کرکے موسیقی میں کمال بہم پہنچایا تھا۔ اس سے بھی زیادہ انھوں نے ایک اور کام ایسا کیا تھا کہ اگر آج وہ مرقع دستیاب ہو جائے تو انمول اور انوکھی چیز ہوگی۔ (باقی)

(بقیہ حاشیہ ص ۵۶) ہدایت اللہ خاں ہدایت کے شاگرد تھے بعد میں برگشتہ ہو کر ہجو لکھدی تھی (مجموعۂ نغز: ۲/ ۸۲) پھر درد سے تلمذ اختیار کیا۔ آخر میں سودا سے وابستہ ہو گئے۔ دہلی سے نکل کر بسولی پہنچے تھے اور غالباً راجہ ہلاس رائے دیوان حافظ رحمت خاں سے متوسل تھے کہ نواب محمد یار خاں امیر نے ٹانڈے میں بلا لیا۔ وہاں تین ماہ رہے۔ دہری ملک کے بعد نواب فیض اللہ خاں والیٔ رامپور کے بیٹے احمد یار خاں سے منسلک ہو گئے ان کے دربار سے تا دمِ موت ملتا رہا۔ کچھ دنوں بعد لکھنؤ جا کر مہاراجہ ٹکیت رائے سے ملے اور اپنے وطن میں جائداد کی واگذاری کا پروانہ لے کر آئے مگر وہاں پہنچنے سے پہلے ملکِ عدم سے بلاوا آگیا۔ (ہندی: ۱۷۹) قاسم کا قول ہے کہ آخر میں قصبہ امروہہ کے قاضی ہو گئے تھے (مجموعۂ نغز: ۱/ ۸۲) مگر اس کی تائید اور کسی تذکرہ نگار نے نہیں کی۔ سال وفات میں بھی اختلاف ہے اکثر تذکرہ نگاروں نے ۱۲۱۰ھ (۱۷۹۵ء) لکھا ہے ان کے خاندان میں بھی یہی مشہور ہے (زمانہ کانپور: جولائی ۱۹۲۹ء) لیکن بعض نے ۱۲۰۸ھ کو ترجیح دی ہے۔ انتقال رامپور میں ہوا تھا وہیں دفن ہوئے (مجمع الانتخاب قلمی ورق ۴، ۵۔ الف) تصانیف میں ایک تذکرہ مخزن نکات شائع ہو چکا ہے ایک ضخیم دیوان جو تمام اصناف سخن پر مشتمل ہے ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ اس کا ایک بدخط قلمی نسخہ رامپور میں موجود ہے۔ یہ مشہور شعر ان کا ہے۔

قسمت تو دیکھ ٹوٹی ہے جا کر کہاں کمند
کچھ دور اپنے ہاتھ سے جب بام رہ گیا

[1] ہندی/ ۱۴-۱۳-۱۲ [2] ماسبق/ ۱۳-